# ہیرو

سائرہ رضا

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

سائرہ رضا

# ہسرو

”ٹیچر! اتنے اچھے موسم میں پڑھنے کو دل نہیں کرتا۔“

”پلیز ٹیچر...!“ سب نے ایک دوسرے کو اشارے کیے تھے اور پوری کلاس یک زبان ہو گئی۔

”اچھا پڑھیں گے نہیں تو کیا کریں گے؟“ اس نے دونوں ہاتھ روسٹرم پر رکھ دیے۔

”باتیں کریں گے ٹیچر...!“ یہ لاڈ بھری اکساتی آواز سی آر کی تھی۔

”لیں ٹیچر... پلیز ٹیچر!“ سب ہی چلانے لگیں۔

”اوکے او کے مگر کون سی باتیں؟“ وہ جان چکی تھی کہ ان سب کو آج پڑھنا نہیں ہے۔

”بس یونہی باتیں...“ سی آر نے کندھے اچکائے۔

”مگر ٹاپک تو ہونا چاہیے ناں۔“ اس نے اپنے نوٹس فائل میں رکھنے شروع کر دیے۔

”عینی کی منگنی کی پکچرز دیکھتے ہیں ٹیچر...!“ صدف نے کھڑے ہو کر عینی کی طرف ہاتھ اٹھایا۔ عینی تڑپ کر مڑی۔ وہ مسکرا دی۔ کالج میں البمز وغیرہ لانے کی پرمیشن نہیں تھی۔ مگر سب ہی جانتے تھے۔ یہ سرگرمیاں جاری رہا کرتی تھیں۔

”تو آپ لائی ہیں البم...؟“ اس نے دوستانہ انداز اختیار کیا۔

”نو ٹیچر...!“ وہ کھڑی ہو گئی چہرہ اترا ہوا تھا۔

”ٹیچر البم نہیں ہے۔ اس کے موبائل میں سب کچھ ہے۔“

”موبائل!“ اس نے بھنویں سکیڑیں۔ عینی کا سر جھک گیا۔

”چلیے منگنی کی خوشی میں... آج موبائل معاف ہے۔“ اسے ترس آ گیا مگر عینی کا سر ہنوز جھکا اور انداز میں غصیلا پن نمایاں تھا۔

اس نے استفہامیہ نگاہوں سے کلاس کو دیکھا۔ ساتھ ہی عینی پر نظر پڑی وہ مقدور بھر آنکھیں نکال کر دانت پیس کر اور مکے بنا بنا کر چھیڑنے والی کو گھور رہی تھی۔

”ایکچوئیلی ٹیچر... عینی اپنی منگنی سے خوش نہیں ہے۔“

عینی کے ساتھ بیٹھی اس کی پکی دوست نے ترحم آمیز نگاہوں سے دیکھتے ہوئے اسے بھی غم میں شریک کرنا چاہا اور واقعی اس کے سر پر پہاڑ سا ٹوٹ پڑا نظریں عینی پر گئیں۔ جو ہارے جواری کی طرح گردن گرا کے بے ڈھب سے ڈیسک پر بیٹھی تھی۔ اس کے چہرے پر ایسا ملال طاری ہو گیا تھا کہ اس کا دل دھڑ دھڑ کرنے لگا۔ سیکنڈ ایئر کی طالبہ... نوعمر پیاری سی عینی...

”اوہ...!“ تفکر سے اس کے ہونٹ سکڑ گئے۔

”کیوں بیٹا... کیوں نہیں پسند... کیا وجہ ہے؟“ وہ روسٹرم کے پاس سے ہٹ کر ڈیسک کی قطار میں آ گئی۔

”بس ٹیچر...!“ عینی کی آواز بھرا گئی۔ ساتھ ہی آنکھیں بھی ڈبڈبا گئی تھیں۔

”آپ کے پیرنٹس نے آپ سے پوچھا نہیں تھا بی بی۔“

”پوچھا تھا!“ وہ بدبدائی۔ ”میں نے منع کر دیا تھا۔“ وہ رو ہی پڑی۔

”پھر بھی...“ اس نے تشفی کے لیے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”ویری سیڈ!“ وہ واقعی دکھی ہو گئی۔

”یہ آج کے والدین... بلکہ کل والے بھی...

بیٹیوں کو سونے کا نوالہ کھلادیں گے مگر اس معاملے پر آ کر..... ''اس کو حقیقتاً'' دکھ ہوا تھا۔
اس کی نظریں عینی پر ٹک گئیں۔ گندمی بے داغ رنگت بڑی بڑی آنکھیں سیاہ بالوں کی موٹی اور چھوٹی چوٹی دائیں کندھے پر ڈالے وہ بہت پیاری بچی تھی۔ مگر آنکھوں کے آنسو..... اور چہرے پر تحریر غم..... وہ مشکل



میں پڑ گئی۔ اب کیا کرے۔

تب ہی کانوں میں ہنسی کی آواز ٹکرائی۔ ایسی ہنسی جو قابو سے باہر ہو گئی ہو۔ اس نے چونک کر سب کو دیکھا۔ عینی بھی اپنا غم بھلا کر خشمناک نگاہوں سے سب کو دیکھنے لگی تھی۔

وہ سخت سست کہنا ہی چاہتی تھی۔ مگر ہکا بکا رہ گئی۔ ہنسی کا غبارہ... غبارہ نہیں بم تھا جو پھٹ گیا تھا۔ لڑکیاں ایک دوسرے پر گرتی پڑتی لوٹ پوٹ ہو رہی تھیں۔ انہیں ٹیچر کا خوف بھی نہ رہا۔ عینی سے بھی نہ ڈریں۔

"کیپ کوائٹ کلاس!" بالآخر اس نے دھاڑ ماری کلاس کو سانپ سونگھ گیا۔ ٹیچر کے چہرے پر شدید طیش کے تاثرات آگئے تھے۔

"یہ ہنسنے کا مقام ہے بھلا؟" اس کا لہجہ سخت شرمسار کرنے والا تھا مگر...

"بہت افسوس ہوا آپ سب پر..." وہ واقعی متاسف تھی۔

"مشکل مرحلہ ہوتا ہے یہ ہر لڑکی کے لیے... اور بیٹا عینی! آپ کو بھی ایک بات کہوں' آپ ابھی بہت کم عمر ہیں' انوسنیٹ ہیں' آپ کو اپنے اچھے برے کا نہیں پتا۔ لیکن وہ جو آپ کے والدین ہیں ناں' وہ آپ کے لیے غلط فیصلہ نہیں کر سکتے۔

ایک وقت آئے گا جب آپ کو سب ٹھیک لگے گا آپ اپنے پیرنٹس پر بلیو کریں۔"

اس کے بہت نرم اور متوازی جملوں پر عینی کا سر نفی میں ہلنے لگا۔

"اوہ بیٹا۔" اس نے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ سخت دکھی ہو گئی تھی۔ سترہ اٹھارہ برس کی عمر میں ایسے آنسو...

تب ہی وہ ایک بار پھر بری طرح چونکی۔ پھنسی ہوئی ہنسی اور اگلے پل پوری کلاس چھت پھاڑ قہقہوں سے گونج اٹھی اور اس بار کسی پر بھی ٹیچر کی آگ برساتی گھوریوں کا اثر نہ تھا۔ ضبط نے اس کے چہرے کو سرخ کر دیا۔

"ٹیچر...!" سی آر خود پر قابو پا کر کھڑی ہوئی۔ "اس سے یہ تو پوچھیے اس کو اعتراض کیا ہے منگیتر پر...؟" اس کا سوال منطقی مگر لہجہ متبسم تھا۔

وہ بے ساختہ عینی کی سمت گھوم گئی۔

"وہ میرا آئیڈیل نہیں ہے ٹیچر...!" ضبط کی طنابیں چھوٹ گئیں۔ وہ رو ہی پڑی۔

"اوہ...!" ٹیچر کو نئے سرے سے دکھ ہوا کلاس کی دبی دبی ہنسی وقفے وقفے سے سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔

"ٹیچر اس سے یہ بھی پوچھ لیں اس کا آئیڈیل ہے کون؟" ہنستے لہجے کی یہ آواز پچھلی کسی ڈیسک سے ابھری تھی۔ اس کی گردن بے ساختہ عینی کی سمت مڑی۔ اور عینی اس بار گھبرا گئی۔ وہ آئیں بائیں شائیں کرنا چاہتی تھی۔ مگر ایک بار پھر پچھلی ڈیسک سے نعرہ بلند ہوا۔

"اسے شرم آ رہی ہے روزینہ... تم ہی بتا دو ناں۔"

"مجھے کیوں کہتی ہو' تم خود بھی بتا سکتی ہو۔"

"ہاں تو میں بتا دیتی ہوں اس میں کیا ہے۔ ٹیچر اسے رمن بھلہ پسند ہے۔ ان فیکٹ وہ اس کا آئیڈیل ہے۔"

"رمن بھلہ... وہ کون ہے۔"

"آپ رمن بھلہ کو نہیں جانتیں ٹیچر...!" صدمے سے پھٹتی یہ آواز عینی کی تھی۔ "رمن بھلہ... نام تو سنا سنا سا لگتا ہے۔"

"جی ٹیچر... وہی رمن بھلہ جو "یہ ہیں محبتیں" کا ہیرو ہے۔"

"اوہ...!" اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے۔

"آپ نے دیکھا ہے ناں اسے ٹیچر...؟" اس کے چہرے پہ شناسائی کی رمق دیکھ کر سب جوش سے بھر گئیں۔

"ہاں... نہیں' لیکن۔" وہ تو چکرا کر رہ گئی۔ اسے کبھی شوق نہیں رہا تھا ڈراموں کا... اور وہ بھی انڈین سوپ... ناممکن...

لیکن گھر میں یہ ڈرامے چلتے ضرور تھے۔

"دیکھئے ٹیچر ہم مانتے ہیں وہ گڈ لکنگ ہے۔ اسمارٹ بہت امپریسیو ہے مگر صرف دیکھنے کی چیز ہی ہے ناں... اب وہ منگیتر تو ہو نہیں سکتا۔"

"مذہب بھی الگ ہے دونوں کا..." ایک اسکارف والی طالبہ نے خوف خدا سے لرز کر سب کو یاد کروایا۔

"اوہاں مذہب بھی!" سب سر دھننے لگیں۔

وہ ساکت کھڑی تھی۔ شوخ، نو عمر آج کی لڑکیاں... بلکہ بچیاں ابھی دو سال پہلے تو اسکول میں تھیں۔

اور وہ عینی... جو ہاتھ کی پشت سے آنکھ پونچھ رہی تھیں۔

"کیا کرنا تھا آپ نے... اس بھلہ کا؟" اس کی آواز کمزور تھی۔

"کچھ بھی نہیں ٹیچر! بس وہ اچھا لگتا ہے۔ اس کا بولنا... دیکھنا، غصہ کرنا سب... وہ ہر لک میں پیارا لگتا ہے۔" وہ بے بسی کا شکار تھی۔

"اری ہیر کی دادی... وہ آل ریڈی میرڈ ہے۔ اصلی والی شادی بھول گئی کیا؟" پہلی رو میں بیٹھی ثنا نے اپنی دادی کا انداز اپنایا۔

"تو کیا ہوا۔ اس سے اس کی پرسنالٹی کی اٹریکشن کم تو نہیں ہوتی۔ وہ ہینڈسم ہے تو ہے۔" عینی نے آنسو پونچھ کر گویا بازو چڑھا لیے۔

"ایک دم بکواس... انڈسٹری میں اگر کوئی ہینڈسم ہے تو وہ صرف ورون ہے۔" دوسری لڑکی نے ہاتھ نچا کر کہا۔

"جی نہیں... ٹائیگر شیرف!" ایک پتلی آواز میں بلا کی تیزی تھی۔ سب ہنس دیں۔

"ٹائیگر شیرف... وہ شی مین! صرف دوپٹے کی کسر ہے، ہی ہی۔"

"بدتمیزی مت کرو۔ وہ سب سے اٹریکٹو ہے۔ اس کی آئیز اور ہائٹ۔" پتلی آواز والی نے ترنت کہا۔

"بھئی شاہ رخ خان کے آگے سب... پانی بھرتے ہیں۔"

"نام تو سنا ہوگا... ہے ناں ٹیچر...؟"

"یہ آپ کن لوگوں کے نام لے رہی ہیں؟" وہ بمشکل بول پائی تھی۔

"یہ ہیروز ہیں ٹیچر... بالی وڈ کے ہیرو... آپ شاہ رخ خان کو نہیں جانتیں؟" وہ اچنبھے سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں جانتی تو ہوں مگر... آپ سب لوگ کیا ذکر کر رہی ہیں۔" وہ واقعی انجان تھی۔

"ہم ہیروز کی بات کر رہے ہیں ٹیچر..."

"ہیروز...؟"

مگر...

"تو آپ سب کے بھی آئیڈیلز ہوں گے پھر... عینی کی طرح۔" وہ پوچھ رہی تھی۔

"یس ٹیچر..." جواب کورس میں آیا۔

"او گاڈ..."

اسے لگا وہ کسی اور سیارے سے یہاں ابھی ابھی پہنچی ہے اور ہر شے سے نابلد ہے زبان سے، طور طریقوں سے، خیالات سے۔

"ویسے ٹیچر! آپ کے فیورٹ کون ہیں؟"

"میں... میرے۔" وہ استعجاب ہی سے ابھر نہ پاتی تھی۔

"ٹیچر! ان سب کا جذبہ حب الوطنی فوت ہو چکا ہے۔" **سنعیہ عمیر** کھڑی ہوئی، اس کا سر اٹھا ہوا تھا اس نے جملے میں بھاری بھر کم اردو استعمال کی تھی۔

"مجھے تو بس عاطف اسلم اور کیوٹی پسند ہیں۔"

سب ٹیچر کو بھلائے ایک دوسرے کو پچھاڑنے میں لگ گئیں۔ اس کا ہاتھ روسٹرم پر بہت زور سے بجا۔

پلک جھپکتے ساری کلاس میں ہو کا عالم طاری ہو گیا۔ سب ہی ٹیچر کے چہرے کی خطرناک سنجیدگی سے گھبرا گئی تھیں۔ گرتے پڑتے اپنی جگہوں پر بیٹھیں۔

"یہ سب لوگ آپ کے آئیڈیل ہیں۔ ہیروز...!" اس کے لہجے سے سناٹا جھلکتا تھا۔ "یہ بھلہ اور فواد خان

## پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-



اور دوسرے.... "اسے نام بھول گئے۔

"دلیں ٹیچر...!" کلاس اپنی بات قائم تھی۔

"آپ لوگ انہیں اپنے ہیروز کہتی ہیں۔" صدمے نے اس کے الفاظ گم کردیے تھے۔

طالبات اس بار بھی پورے وثوق اور فخر سے "دلیں ٹیچر" کہنے والی تھیں مگر تب ہی انہیں اس کی حالت کا احساس ہوا وہ بے یقین تھی حد سے زیادہ مگر ساتھ ہی لگتا تھا جیسے کسی نے اسے ادھیڑ دیا ہے۔ کتر دیا ہے بکھیر دیا ہے۔

"تو پھر ہمیں کس کو ہیرو کہنا چاہیے ٹیچر....؟" کوئی ایک تھی جو سوال میں چھپے سوال تک پہنچی تھی۔

"کم از کم ان سب کو تو کبھی نہیں...." اس کا پورا وجود انکار بن کر سب کو حیران کر گیا۔

"تو پھر کون....؟" بہت لمبے سے کیا آ آ کے بعد تین لفظی ادھورا جملہ تو تھا مگر سوال مکمل تھا۔

"آپ کریکٹرز کو ہیرو کہتی ہوں گی مس....؟" **سنیعہ عمیر** کے لہجے میں اس کے لیے ترحم سا تھا۔ وہ انکار میں سر ہلاتے ہلاتے رہ گئی۔

"میں نے کب کہا کہ میرا ہیرو کریکٹر تھا۔"

وہ استاد تھی اسے اپنا لہجہ پرسکون رکھنا ہی تھا۔ ہنسی کو بریک لگا۔ سب ایک دوسرے کو دیکھنے لگیں۔ ٹیچر کی سنجیدگی آنکھوں میں تیرتا حزن.... شکستگی مایوسی یاد....

"جیسی ان کی ڈریسنگ ہے۔ اسکارف فل سلیوز سیدھی سادی سی دیکھ لینا یہ کسی مذہبی شخصیت کا نام لیں گی۔" یہ سرگوشی ببل چباتی ڈیزی نے کی تھی جو شروع سے ہی کانوں میں ہینڈز فری ٹھونسے ہوئے تھی۔

"تو پھر کون تھا آپ کا ہیرو.... آپ کا آئیڈیل؟" سب چلا اٹھیں۔

"پہلے آپ بتائیے.... آپ لوگ آئیڈیل یا ہیرو سے کیا مراد لیتی ہیں۔ ڈیفائن کریں؟"

وہ شکستہ لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ جانتی تھی کوئی جواب نہیں دے پائے گی۔ اور یہی ہوا سب ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئیں.... آدھے ادھورے جملے آنے لگے۔

"جو آپ کو سب سے اچھا لگے۔ جس کی طرح ہونے کا دل چاہے جس کا ہونے کو دل چاہے ٹیچر.... جو سب سے بہتر ہو ون آف دی **بیسٹ** ہو مکمل...."

اس کا سر نفی میں ہلا۔

"وہ جو میرا آئیڈیل تھا میرا ہیرو.... وہ سب سے اچھا تھا۔ اس کی طرح ہونے کی خواہش میں آج تک پوری نہیں کر سکی وہ سب سے بہتر بھی تھا۔ ون آف دی **بیسٹ**.... اور سب سے بڑی بات میں چاہ کر بھی اس کی ہو نہیں سکتی تھی یہ ممکن ہی نہ رہا۔" ساری کلاس دم بخود رہ گئی۔ ٹیچر کے چہرے پر پھیلی مسکراہٹ غم و اندوہ کے بیچ سے پھوٹتی مسکراہٹ.... اداسی عیاں تھی۔

جیسے تازہ قبر پر پڑا اکلوتا گلاب.... خوشی و غم کا امتزاج.... کیسا عکس تھا چہرے پر.... یاد کی جگمگاہٹ آنکھوں کی نمی یوں جیسے پانی پر تیرتا دیا۔

"میرا ہیرو.... ذرا لمبی کہانی ہے۔" وہ ذرا سا مسکرائی تھی۔

"پلیز ٹیچر...." ساری کلاس نے یک زبان ہو کر اصرار کیا تھا۔

☆ ☆ ☆

یہ جاتی بہار اور آتی گرمی کی کشمکش کے وہ دن تھے۔ جب آنسہ عظیم آٹھ نو برس کی کھلے بالوں والی لاپرواہ بچی تھی۔ وہ گڑیا گڈے کا بیاہ رچاتی تھی۔ ساری ساری دوپہر ہم جولیوں کے ہمراہ یا پھر اکیلی خود کلامی کرتی پہل دوج کھیلتی تھی۔ سرکس کی مشاق کرتب دکھانے والی لڑکی سی پھرتی سے دیواریں چڑھتی اور چھتیں پھلانگتیں۔

آج سوچ کو زبان دینے کے لیے آرٹیکل لکھنے میں ماہر تھی۔ تب بس یہ پہروں سوچتی تھی۔ یونہی ادھر ادھر

کی خوامخواہ کی باتیں۔ ذرا الگ تھلگ ہی رہتی غور و فکر کرتی۔

تین دن سے چڑھا بخار آج صبح کم ہوچکا تھا۔ وہ بستر سے نکل کر ناشتے کے بعد سہیلیوں کے گھروں کی طرف نکلی۔ مگر وہ سب اسکول روانہ ہوچکی تھی۔ بخار کے باعث وہ رخصت پر تھی۔ اس نے پہل دوج کھیلنا چاہا مگر بخار کی نقاہت نے جلد ہمت توڑ دی۔ گڑیا سے بھی کھیلنے کو دل نہ کیا۔ ابو اور باقی بہن بھائی کام اور اسکول جاچکے تھے۔ امی پیچھے کا پھیلاوا سمیٹ رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے چھت پر چلی آئی۔ وسیع و عریض آسمان اسے اپنی طرف کھینچتا تھا اور وہ چاروں طرف گھوم کر آسمان کا کنارہ ڈھونڈا کرتی تھی۔ نیلا آسمان جس میں جابجا سفید دھبے تھے۔ نگاہ کی حد پر نظر آتی چیلیں جو پروں کو پھڑپھڑائے بنا ایسے اڑتی دکھائی دیتی تھیں جیسے پانی پر پھولوں کی پتیاں تیر رہی ہوں۔ خراماں خراماں' بے آواز۔

آنی چھت پر آسمان کی جانب منہ اٹھائے گول گول گھوم رہی تھی۔ وہ چیلوں کو گننا چاہتی تھی۔ دور کہیں بجتے ڈیک نے توجہ کھینچ لی۔

"ہوا ہوا اے ہوا۔ خوشبو لٹادے
کہاں کھلی ہاں کھلی زلف بتادے
اب اس کا پتادے۔ میں اس سے ملوں گا اک بار
ملادے
ہوا ہوا اے ہوا"

وہ گھومتے گھومتے ساکت ہوگئی۔ یہ یقیناً" دودھ والے کی دکان پر بجتا ڈیک تھا۔ گانا نیا تھا اور بہت مزے کا تھا۔ وہ آسمان کی طرف دیکھنا چھوڑ کر اب بغور سن رہی تھی۔

تب ہی سر کے اوپر سے گزرتے تربیتی جنگی جہاز کی چنگھاڑ نے اسے نہ صرف چونکایا۔ لڑکھڑایا بلکہ بدمزہ بھی کردیا تھا۔ گانا سننے میں کتنا مزہ آرہا تھا۔ اس نے فورا" سر اٹھا کر دیکھا تھا۔ مسرور بیس اس علاقے سے کچھ ہی دور تھا۔ اور جہاز یہاں سے گزرتے ہوئے نیچی پرواز کیا کرتے تھے۔ ایک کے بعد ایک گزرتے جہاز یہاں کے مکینوں کے لیے قطعا" باعث حیرت نہ تھے۔

مگر اس جہاز کی آواز اور بے حد نچلی پرواز سے چونکتی آنی کی آنکھیں اس وقت پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جب اس نے جہاز کو عین اپنے سر کے اوپر دیکھا اور یہ کیا' اس کی دم میں آگ لگی ہوئی تھی۔ اڑتے جہاز کے پیچھے ایک روشنی کا لپکا تو ہمیشہ ہی نظر آتا تھا مگر یہ آگ تھی بھڑ بھڑ بھڑکتی۔ آنی بیچ کے گھر میں رہتی تھی اور اس کے عین سامنے بڑے گراؤنڈ کے بعد فلیٹ تھے۔ کیا یہ جہاز فورتھ فلور کی نیلے شیشے والی کھڑکی میں گھس جانا چاہتا ہے۔ اس نے دہل کر سوچا۔

یا آج وہ کسی فلیٹ کی چھت پر اترنا چاہتا تھا۔ اتنا آآآ نیچے۔

"امی' امی۔ امی جی۔" وہ بے حد گھبراہٹ کے عالم میں چلاتے ہوئے کنارے پر آرکی۔

"کیا ہوا آنی۔ پیچھے ہو گر جاؤ گی۔ کیوں چلا رہی ہو۔ کنارے سے دور تو ہو۔"

"امی وہ۔ وہ جہاز کو آگ لگ گئی امی۔"

"کون سے جہاز کو۔؟"

"وہ جو ابھی اوپر تھا۔" اس نے جواب دینے کے ساتھ ہی منہ اٹھایا۔ اوپر تو کچھ بھی نہ تھا۔ آسمان صاف۔ وہی بے آواز اڑتی چیلیں۔ وہی دودھ والے کا بجتا ڈیک۔

"اے جولی جولی۔ جولی کا دل تجھ پر آیا جولی۔
تیرے لیے چڑھ جاؤں سولی۔
تو ہی تو میری جان ہے' جان ہے جان ہے۔
جولی جولی۔"

"پاگل تو نہیں ہوگئی۔ بخار میں جاکر چھت پر ٹنگ گئی اور اوپر سے انوکھی باتیں۔ فورا" نیچے آؤ۔ آرام کرو۔ خدانخواستہ چکر کھا کر نیچے گر گئی تو۔"

"میں سچ کہتی ہوں امی۔ وہ جہاز بہت نیچے تھا اور اس کی دم کو آگ۔" اپنی صفائی دیتے دیتے اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔ پیچھے سے یک دم ایک شور ابھرا تھا۔ وہ چھت پر ہی گلی کی سمت بھاگی اور نیچے جھانکا۔

بہت سے لوگ بے یقینی کے سے عالم میں ایک گروہ کی صورت میں جمع ہوتے جارہے تھے۔ اور ایک دوسرے کو بتارہے تھے اور تصدیق چاہ رہے تھے۔ ابھی اوپر جہاز تھا۔ اس کی دم میں آگ لگی تھی ناں۔ اور بہت نیچے تو وہ تھا ہی۔ ہاں واقعی نیچے تو وہ تھا ہی۔ تب ہی ایک دوسرا جہاز سر سے گزرا۔ وہ مناسب بلندی پر تھا اور پلک جھپکتے غائب ہوگیا زن ن ن ن۔

"میں غلط نہیں کہہ رہی تھی امی۔ دیکھیں نیچے سب لوگ بھی کہہ رہے ہیں جہاز کو آگ لگی ہوئی تھی۔"

اس نے آنگن کی جانب آکر جھاڑو پھیرتی ماں کو بتایا۔ امی نے جواباً" کچھ کہا جو سن نہ سکی۔ نیچے سے شور ابھرا تھا۔ اور اس کے سر کے اوپر وہی دم کو لگی آگ والا جہاز تھا۔ وہ پہلے مسرور بیس کی طرف جاتا دکھائی دیا تھا۔ اب کیا واپس آرہا تھا اور آگ زیادہ ہوگئی تھی اور وہ اتنا نیچے تھا کہ اس نے خوف زدگی کے عالم میں اپنے دونوں کانوں پر ہاتھ دھر لیے اور اسی طرح وہ زمین پر اکڑوں بیٹھتی چلی گئی۔

جہاز زن سے سر کے اوپر سے گزر گیا۔ لیکن اب وہ غائب نہیں ہوا۔ وہ مسلسل نظر آرہا تھا۔ وہ اس آبادی کے چاروں طرف گھوم رہا تھا۔ نیچے ایک بابا کار مچی تھی۔ ہر شخص منہ اٹھائے آسمان کو کھوج رہا تھا ہر ایک گھر سے باہر تھا۔ کھلے آنگن ہی تھا اور پھر کا ایک چھتیں انسانوں سے بھر گئیں۔

"ارے لاکھوں روپے خرچ کر کے جہاز لیتے ہیں اور تربیت کے نام پر ان نکموں کو پکڑا دیتے ہیں۔ سالے کو جہاز اوپر تک لے جانا نہیں آرہا۔ ایسے ہی کرتا رہا تو ہمارے سروں پر ہی گرا دے گا۔"

یہ پڑوسیوں کا نکھٹو جاجی تھا۔ جو شدید طیش کے عالم میں بزرگ انکل سے مخاطب تھا۔ (انکل کی صاحبزادیاں بھی ذرا سی اوٹ میں ہوئی آسمان کو دیکھ رہی تھیں۔

"بھئی ایسے ہی کہیں گے آسمانی عتاب۔ اب اگر جو یہ گر جائے تو نیچے کیا خاک بچے گا۔ بس ایسا ہی ہوتا ہے اللہ کا عذاب۔ کہیں طوفان' سیلاب' زلزلے آتے ہیں۔ اب مشینوں کا عذاب نازل ہوا کرے گا۔"

مولوی صاحب بھی چھت پر کھڑے تھے۔

"سالا (پائلٹ) آج کچھ نہ کچھ کرے گا۔ یہیں پر منڈلا رہا ہے' جاتا کیوں نہیں۔"

سب کو تشویش تھی۔ اگر اس غیر تربیت یافتہ پائلٹ نے عقل استعمال نہ کی تو جہاز آبادی پر گرے کہ گرے۔

"جاتا کیوں نہیں۔"

"یہ پاس تو ہے بیس۔"

چنگھاڑتا' غراتا جہاز سب کی سن رہا تھا شاید۔ وہ زن سے کہیں دور نکل گیا۔ آسمان صاف اور پرسکون۔

آنسہ کی گردن درد کرنے لگی۔ کیا' کیوں' کیسے جیسے سوال سے سر بھی دکھنے لگا۔

"جہاز کو کیا ہوگیا آج۔" وہ معصومیت سے سوچتے ہوئے اس پہاڑی کو دیکھنے لگی۔ جہاں جہاز نے رخ بدلا تھا۔ داستان چھوڑ کر جہاز نجانے کہاں چلا گیا تھا۔ کیا اب دوبارہ نہ آئے گا۔ لیکن اسے تو سامنے جانا تھا وہ پیچھے کیوں گیا؟

تھوڑا سا وقت اور گزرا اب جہاز نہیں تھا اور روٹین کی پرواز کرنے والے جہاز وقفے وقفے سے گزر رہے تھے۔ پیچھے سے آتے نظر آتے اور فلیٹ سے آگے جاکر نظروں سے غائب ہو جاتے۔

سب گفتگو کرنے میں ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنا چاہ رہے تھے اور سب ہی دعوے دار تھے کہ جلتے جہاز کو سب سے پہلے انہوں نے دیکھا جہاز کے دوبارہ نمودار ہونے کے انتظار میں کھڑی آنی کچھ نہ بولی۔ یقیناً" جہاز کو سب سے پہلے اسی نے دیکھا تھا۔ وہ مایوس ہو کر پریشان دل کے ساتھ نیچے اترنے لگی۔ جب اس نے اپنے سامنے الٹی جانب' بہت بلندی پر اسی دم سے جلتے جہاز کو ایک بار پھر دیکھ لیا۔

"ارے وہ رہا..... وہ دیکھو..... اتنا اوپر ہوگیا مگر اسے تو

سیدھی جانب جانا تھا نا' یہ غلط سمت کیوں گیا؟"

"ارے میں یہی تو کہہ رہا ہوں' عوام کے خون پسینہ کا پیسہ خرچ ہوتا ہے ان جہازوں کی خریداری اور مینٹی نینس پر۔۔۔ آج تو جہاز ہے ہی کسی اناڑی کے ہاتھ میں جسے یہ تک نہیں پتا کہ جانا کہاں ہے۔"

مختلف آرا۔۔۔

زہر میں بجھے جملے۔۔۔

کسی دل جلے نے کچھ گالیوں سے جملے کے سابقے لاحقے کی ترتیب کی تھی۔

جتنے منہ اتنی باتیں۔ قیافے' گمان' شکوک اور فکر کے ہمراہ شدید حیرت یہ منظر شاید تمام لوگ پہلی بار دیکھ رہے تھے۔ سو جوش و جستجو بہت زیادہ تھی ایکسائٹمنٹ سی۔۔۔

تب ہی ایک عجیب سا منظر سب کو حیران کر گیا۔ جہاز کے اندر سے کوئی سیاہ سی گٹھڑی نکلی تھی' بس کوئی چیز مگر کیا؟ یہ کوئی نہ سمجھ سکا۔ وہ اتنی دور اور بلند تھی کہ اپنے وجود کی وضاحت نہیں دے سکتی تھی۔ سیاہ گٹھڑی نیچے کو گرتی ہوئی اور حیران کن بات یہ ہوئی کہ گٹھڑی کا بوجھ اتار پھینکنے کے بعد جہاز نے تیزی سے رخ بدلا۔ وہ اونچائی سے ایک دم بہت نیچے ہوا تھا اور اگلے ہی پل وہ ایک بار پھر آنی کے سر پر منڈلا رہا تھا۔ اس کے گرد چکرا رہا تھا۔

وہ اتنا نیچے تھا کہ آنی کو لگا اگر اس کے ہاتھ میں ایک بڑا بانس ہو تو وہ جہاز کو شاید چھو لے۔ وہ وہاں سے چلا کیوں نہیں جاتا۔ اس نے جہاز کو بلندی پر تو دیکھ رکھا تھا۔ مگر اتنا نزدیک اف۔۔۔!!

جب جہاز گرتا ہے تو جہاں گرتا ہے تو وہ جگہ تو تباہ ہو جاتی ہے نا۔ تو کیا وہ تھوڑی دیر بعد مر جائے گی اگر جہاز اس کے سر پر گر گیا اور اگر وہ سر پر نہ بھی گرا تو اس کے گھر پر گر گیا مسجد پر۔۔۔ اور فلیٹس میں بھی تو اس کی بہت سی سہیلیاں تھیں اور گراؤنڈ میں جہاں وہ سائیکل چلانے جاتی تھی۔ اور جہاز اسی گراؤنڈ کے اوپر منڈلا رہا تھا۔ وہ وہیں ٹک گیا تھا گویا۔ یعنی ہر دو صورت نقصان آنی ہی کا ہونا تھا۔

وہ کبھی دائیں طرف گردن موڑ کر گراؤنڈ پر بہت نیچی پرواز کرتے جہاز کو دیکھتی اور کبھی ہاتھ کا چھجا ماتھے پر ٹکا کر گٹھڑی کی تلاش کرتی' جو نجانے کہاں جا گری تھی۔ اور اس گٹھڑی میں کیا ہوگا۔ اس کا ننھا ذہن سوچ نہ پاتا۔ کوئی خزانہ یا راز یا بہت سارے نوٹ۔۔۔ یا۔۔۔ یا کیا؟

وہ ابھی تک چھت پر تھی' مگر اسے اندازہ تھا کہ ایک دنیا گراؤنڈ کے نزدیک ہوگی۔ دفعتاً" جہاز نے اڑان بھری' وہ دائیں جانب اڑا تھا۔ پرواز بہت نیچی تھی۔ وہ کہاں جا رہا تھا' کیا بیس؟ مگر اس سوال کے جواب سے پہلے ایک شور نے اسے متوجہ کیا۔ چھت پر کھڑے لوگ انگلی سے بائیں جانب اشارہ کر رہے تھے اس نے کھوج کی تو آسمان پر کچھ تھا۔ وہ چیل بھی نہیں تھی کوا بھی نہیں تھا وہ۔۔۔ وہ ایک۔۔۔ آنی نے پالیا۔ وہ چلائی۔

آسمان پر گڈا ہے' چھتری کے نیچے لٹکتا گڈا۔۔۔ جہاز نے گڈا گرایا تھا؟

"ارے یہ تو پائلٹ ہے' جو پیراشوٹ سے اتر رہا ہے۔"

"کیا؟" سب کے منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔ پیرا شوٹ سے اترتا پائلٹ (گڈا) وہ بہت اوپر اڑ رہا تھا۔

سب جہاز کو بھول کر گڈے کو دیکھنے لگے۔ وہ شور کے الامان۔۔۔ تب ہی ایک دھماکے کی آواز اور کالے دھوئیں نے سب کے منہ بند کر دیے اور گردنیں دائیں جانب موڑ دیں۔

گراؤنڈ سے بہت دور جہاں گودام اور فیکٹریز تھیں

جہاز منہ کے بل روئی کے گودام میں جا گرا تھا۔ ساتھ کوئی بیٹری فیکٹری تھی۔ روئی کے گودام سے آگ کے شعلے بھڑکنے لگے' ایک ہنگامے کے سے عالم میں لوگ فیکٹری کی طرف بھاگ رہے تھے۔ آنی سرعت سے نیچے اتر آئی۔ وہ ماں کی نظر بچا کر گودام کی جانب بھاگنا چاہتی تھی' مگر تب ہی اسے لگا کہ آسمان سے اترتا

گڈا اب بہت واضح ہو گیا ہے۔ اس کے سر پر چھتری کھلی تھی اور دونوں ٹانگیں فضا میں وی کی طرح کھلی تھیں۔

آنی نے فوری فیصلہ کیا وہ گودام نہیں جائے گی' وہ گڈے کے پیچھے بھاگے گی۔ اسے یہ گڈا چاہیے ..... ہر صورت۔ لہٰذا بہتر یہ ہے کہ وہ جلد از جلد جائے تاکہ سب سے پہلے پہنچ کر اس گڈے کو اپنے قبضے میں لے لے۔ پھر وہ سب کو بتائے گی کہ اس کا گڈا وہ ہے' جو گرنے والے جہاز نے پھینکا تھا اور اب وہ اس کا ہے۔

لیکن گڈا ابھی بہت دور تھا۔

وہ اگر آبادی سے نکل کر دائیں سڑک پر جائے اور پھر اس راستے پر زمین پر بھاگتی جائے جہاں جہاں اوپر گڈا اڑ رہا ہے تو جب وہ کہیں بھی گرے گا۔ اترے گا تو وہ اسے پکڑے گی' مگر آنی کی یہ سوچ غلط ثابت ہوئی' وہ اکیلی گڈے کا تعاقب کرنے والی نہیں تھی اور بھی کتنے بہت سارے لوگ اسی جانب بھاگ رہے تھے جہاں "گڈے" کے اترنے کا گمان تھا۔ روڈ کے اختتام پر الیکٹرونکس کمپنی تھی اور ساتھ ہی بوائز کالج اور بھاگتا روڈ۔ اور اسے تو آبادی کے باہر آنے والے روڈ تک پر جانے کی اجازت نہیں تھی' تو وہ پیچھا کرتی کہاں تک جائے گی؟ اور اگر گم ہو گئی تو..... امی کتنا ماریں گی۔ امی نے گم ہو جانے سے سختی سے منع کر رکھا تھا۔

لیکن وہ اکیلی تو نہیں' جو گڈے کا تعاقب کر رہی ہے' اسی کی گلی کے کتنے لوگ لڑکے اور انکل اور بچے بھی..... وہ ان ہی کے ساتھ واپس آجائے گی' مگر یہ گڈا گیا کہاں..... اس نے دفعتاً چونک کر دیکھا' پریشان ہونے سے پہلے وہ اسے دکھائی دے گیا۔ وہ کالج کے عین اوپر تھا اور اب واضح ہو گیا تھا۔ وہ گڈا نہیں تھا کہ جس سے کھیلا جا سکتا یا وہ اپنی گڑیا کا بیاہ رچا لیتی' وہ تو بہت بڑا تھا۔ اس کے ابا کے قد کے برابر یا شاید ان سے بھی بڑا..... لیکن اب یہاں تک آکر وہ واپس کیوں جائے' وہ اسے دیکھے تو ضرور..... آسمان پر دائیں جانب کالے دھوئیں کی لکیر تھی اور بائیں جانب وہ سیاہ پوش.....

ہجوم کے ساتھ دوڑتی آنی کالج کے گراؤنڈ کے اندر داخل ہو گئی۔ وہ چھوٹی تھی اور بڑوں کی ٹانگوں میں سر گھسا گھسا کر جگہ بناتی اب سب سے آگے کھڑی تھی۔

سیاہ پوش اب سروں کے عین اوپر تھا اور کسی بھی لمحے نیچے اترنے والا تھا' اسے دیکھنے کا شائق ہجوم جو مسلسل آگے بڑھ رہا تھا۔ جب اسے دھیرے دھیرے زمین کے نزدیک ہوتا دیکھنے لگا تو کسی کے بھی حکم کے بغیر خود بخود پیچھے سرکنے لگا۔ بہت بڑا کھلا میدان اترنے میں معاون تھا' مگر ہوا کا رخ! اگر وہ کسی درخت سے جا لگتا تو' سیاہ بڑے گیٹ سے تین گاڑیاں اندر داخل ہو رہی تھیں ان میں سے نکلنے والے وردیوں میں ملبوس تھے' مگر وہ آگے نہ بڑھے۔ وہیں رک کر دیکھنے لگے۔ ان کی نظر اترنے والے پر تھی وہ اتنا نزدیک ہو گیا تھا کہ اس کے چہرے کے نقش واضح ہو رہے تھے۔ وہ نجانے کتنی دیر سے ہواؤں سے نبرد آزما تھا' کتنے گھنٹوں سے.....

ہجوم ساکت تھا۔ سراسیمہ..... بے یقینی پھٹی آنکھوں والے لوگ۔ بوڑھے جوان' پہلی بار اس چیز کا تجربہ کر رہے تھے۔

وہ اگلے لمحوں میں زمین پر اترنے ہی والا تھا۔ اس کے قدم زمین کو چھونے والے تھے۔ سب کی سانسیں رک گئی تھیں۔ اسے کچھ ہو نہ جائے' لیکن اسے کچھ نہ ہوا' بے حد مشاقی سے بھاری بوٹ زمین سے ٹکرائے تھے۔

وہ رکتے رکتے بھی گراؤنڈ میں کتنا ہی بھاگ لیا' دھیرے دھیرے سرکتا' مدھم ہوتا بہت آرام سے کولہے کے زور پر نیچے بیٹھ گیا۔ اس کا سر شاید چکرا رہا تھا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے اسے تھام لیا تھا۔ ہجوم ذرا سا آگے ہوا تھا' مگر نیچے کھڑے فوجی جوان الرٹ تھے' ان کے فقط ہاتھ کے اشارے نے سب کو اسٹاپ

کر دیا۔

ایک بوڑھی خاتون اپنے گھر سے دودھ منگوا کر اسے پلا دینا چاہتی تھیں کہ اس نے کتنی مشقت جھیلی کب سے تو اڑ رہا تھا۔

اور وہ واقعی کسی نقاہت کے زیر اثر تو تھا۔ فوجی اس کے گرد گھیرا ڈال کر کھڑے ہو گئے۔ وہ اس کی مدد کر رہے تھے۔ پیراشوٹ کھولنے میں اور پتا نہیں کیا کیا.... وہ سب مسلسل کچھ بول رہے تھے اسے اٹھنے پر اکسا رہے تھے پھر کسی نے شاید سہارا دینا چاہا ایک نے ہاتھ بڑھایا کہ وہ اٹھ جائے۔ ہجوم خدشات میں گھرا تھا کیا وہ کھڑا ہو سکے گا اتنی دیر تک ہوا میں رہنے کے بعد؟ دل کانپنے لگے اور آنکھ بھرنے.... خشک حلق نے زبان کو بھی اکڑا دیا تھا۔

دونوں ہاتھوں کا دباؤ زمین پر ڈال کر اس نے کھڑے ہونے کی کوشش کی، مگر ناکام رہا۔ ہجوم میں مردوں کی تعداد زیادہ تھی اور بچے.... بچے بس حق دق تھے۔ اور مرد.... کون کہتا ہے مرد کو درد نہیں ہوتا اور اس کی آنکھ بہتی نہیں۔ یہاں تو ہر آنکھ اشکبار تھی اور بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ سب اسے آگے بڑھ کر کسی بھی طرح اٹھا لیتے۔ وہ نجانے کس تکلیف میں تھا، مگر یہاں کھڑے تمام لوگ اذیت سہنے کی آخری حد میں تھے۔ وہ آخر کھڑا کیوں نہیں ہو جاتا۔

اور ایسا کیا کیا جائے کہ وہ بس جلدی سے اپنے قدموں پر کھڑا ہو جائے۔ تب ہی آنی نے دیکھا اس نے ایک بار پھر زمین پر ہاتھ جمائے (اٹھنے کی کوشش) ہجوم نے دل پر ہاتھ رکھا تھا۔ اور.... اور وہ ذرا سا لڑکھڑا کر کھڑا ہو گیا تھا۔ ہجوم بے قابو ہو گیا۔ ایک خودساختہ حد بندی کا حصار توڑ کر وہ آگے بڑھے تھے اور اگلے پل ”آنی کا گڈا“ ہجوم کے کندھوں پر تھا۔ وہ نعرہ تکبیر بلند کر رہے تھے۔ پاکستان زندہ باد، پاک فوج زندہ باد کے نعرے لگا رہے تھے وہ اسے چھونا چاہتے تھے اور چومنا وہ گوشت پوست کا بنا جیتا جاگتا انسان نہ ہوتا تو شاید اس کے ٹکڑے کر کے بطور تبرک آپس میں بانٹ لیتے۔

یہ جشن نجانے کب تک برپا رہتا، مگر گاڑیوں میں آئے فوجیوں نے ذرا سختی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بمشکل اسے ہجوم کے ہاتھوں سے نکال کر گاڑی تک پہنچایا، ہجوم جسے رخصت کرنے بیس تک جانا چاہتا تھا، مگر یہ سب پیدل تھے اور وہ گاڑیاں تھیں، فضا میں مسلسل نعرے بلند ہو رہے تھے۔

شدت جذبات سے لوگوں کے چہرے سرخ تھے وہ ایک دوسرے سے لپٹ کر نجانے کس شے کی مبارک باد دے رہے تھے۔ گاڑیاں چند لمحوں میں نظروں سے اوجھل ہوئی تھیں۔ آنی ساکت و صامت کھڑی تھی۔ وہ تو گڈے کو اپنے ساتھ لے جانے کے لیے بھاگی آئی تھی۔

لوگوں کی زبانوں پر قصے ہی قصے تھے۔ زیب داستان کے لیے وہ حاشیہ آرائی کر رہے تھے کہ بس۔

دائیں جانب کالا دھواں ہنوز تھا۔

✡ ✡ ✡

”ان کے پاس پیٹرول ختم ہو گیا تھا اور فنی خرابی اس کے علاوہ.....“ ابو نے رات بتایا۔

”تو دونوں کود جاتے نا ابو.... ایک ہی کودا؟“ یہ آنی کا بھائی تھا۔

”دونوں ہی کودنا چاہتے تھے اور اس کی اجازت بھی ہوتی ہے۔ اپنی جان کی حفاظت سب سے اہم ہے۔“

”تو پھر کیوں نہ کودے۔“ آنی نے عجلت سے پوچھا۔

”بیس تک جانے کے لیے اونچی پرواز کرنی پڑتی تھی، جو خرابی کے باعث ممکن نہ تھا اپنی جان بچاتے تو سب سے موزوں جگہ جہاز گرانے کے لیے یہی آبادی اور اس کے ارد گرد کا علاقہ تھا۔ چاروں اطراف بڑی بڑی فیکٹریز.... جہاز گراتے تو آگ سے سب تہس نہس ہو جاتا۔“

”تو ہمارے سر پر ہی کیوں چکر لگاتے رہے؟“ آنی کی نگاہوں سے منظر ہٹتا ہی نہیں تھا۔

"وہ آبادی پر نہیں گرانا چاہتے تھے۔ بڑے گراؤنڈ کو بار بار جانچتے تھے۔ گراؤنڈ بیسٹ تھا مگر جہاز گرتا تو ساتھ کھڑے فلیٹ بھی شاید گر جاتے۔"

"تو ابو جب جہاز کا گرنا طے ہو چکا تھا تو دونوں پیراشوٹ سے چھلانگ لگا لیتے 'ایک ہی نے کیوں لگائی؟"

"ایک نے اس لیے لگائی کہ دونوں اپنی جان بچانے کے لیے جہاز کو بے لگام چھوڑ کر کود جاتے تو جہاز ڈولتا ہوا کہیں بھی گر جاتا' فیکٹریز پر' روڈ پر یا یہاں ہمارے گھر پر۔"

"میرے اوپر ابو...." ان کے سینے پر سر رکھ کے انہماک سے سنتی آنی نے تیزی' مگر شدید بے یقینی سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں بیٹے آپ پر.... کسی پر بھی...."

"کیا انہیں پتا تھا کہ نیچے آنی ہے.... یعنی میں ہوں آنسہ عظیم....؟ کیا میں انہیں نظر آ رہی تھی؟"

"بالکل نظر آ رہی تھی اور اگر نہ بھی نظر آتی تو وہ دونوں جانتے تھے نیچے بہت سی آنیاں رہتی ہیں۔"

"آپ صحیح کہتے ہیں ابو.... انہیں پتا تھا نیچے صرف میں ہی ہوں باقی تو سب بچے اسکول گئے ہوئے تھے۔ مجھے تو بخار تھا نا' وہ صرف مجھے بچانے کے لیے دیر تک جگہ ڈھونڈتے رہے اور سارا پیٹرول ختم ہونے پر خود ہی جلدی سے بھاگ کر روئی کے گودام میں گر گئے۔ کیا انہوں نے جہاز اڑاتے وقت مجھے دیکھ لیا تھا۔ میں چھت پر تھی نا؟" وہ ابو کی بات پر دل سے ایمان لے آئی۔

"ویسے تو سخت پہرا لگا دیا گیا تھا جہاز کے ملبے کے گرد' مگر وہ حاجی صاحب کا بیٹا بتا رہا تھا تین پاؤ تک کی گوشت کی ایک ڈھیری سی ملی ہے باقی سب خاکستر ہو گیا۔" امی نے ذرا مدھم آواز میں کہا۔

"اوں ہوں بچوں کے سامنے ایسی بات نہیں کرتے۔" ابو نے سرزنش کی۔

"ابو اخبروں میں بتایا تھا کہ مرنے والے پائلٹ کی یہ آخری پرواز تھی۔ وہ دو دن بعد چھٹی پر جا رہے تھے۔

ان کی شادی تھی۔"

"مرنا نہیں کہتے.... شہید کہتے ہیں بیٹے۔" ابو نے تنبیہہ کی۔

"شہید کیا ہوتا ہے ابو؟" یہ آنی کے لیے نیا لفظ تھا۔

"شہید...." ابو نے شعوری وقفہ لیا۔ وہ آسان سے آسان الفاظ میں معنی بتانا چاہتے تھے۔

"وہ جو اللہ کی راہ میں جان دیتے ہیں' اپنے ملک اور قوم کو بچانے کے لیے لڑتے ہیں اور لڑتے لڑتے مر جاتے ہیں' وہ شہید کہلاتے ہیں جیسے آج شہید ہونے والا پائلٹ اتنے بہت سارے انسانوں کو بچانے کے لیے اپنی جان پر کھیل گیا۔ اس نے سوچا کہ میں اکیلا ہوں اور نیچے اتنے سارے...."

"نیچے میں ابو...." آنی نے ان کا گھٹنا ہلا کر تصحیح کی۔

"ہاں بیٹے ہر وہ شخص جو کسی دوسرے کی جان بچانے کے لیے...."

"ابو.... میں.... میری جان بچانے کے لیے.... ایسے کہیں' آنی کی جان بچانے کے لیے مرجانے والے کو شہید کہتے ہیں۔"

اس نے ابو کو پورا جملہ بنا کر دے دیا۔ ان کی مشکل آسان کر دی۔ سلیس اور مکمل تشریح' وضاحت۔

ابو کی بقیہ بات منہ میں ہی رہ گئی۔ بیٹی کی غلط فہمی کو دور کرنا کسی اور وقت پر چھوڑ کر وہ اثبات میں سر ہلانے لگے۔

چھوٹے سے دماغ میں چھوٹی سی بات بٹھانا ہی اس پل مناسب لگا۔

جب وہ بڑی ہو گی تو بڑی بات خود بخود سمجھ جائے گی۔

اپنے بچپن کا ایک ناقابل فراموش واقعہ بیان کرتے کئی بار آنسہ عظیم کی آواز بھرا گئی تھی۔ زبان لڑکھڑائی اور آنکھ جھلملا گئی تھی۔ شدت جذبات سے ہونٹ لرز لرز جاتے تھے' مگر اس نے حرف بہ حرف بیان کیا تھا۔ اس کی قصہ گوئی میں تمام لوازمات موجود تھے۔ جزئیات نگاری' منظر نگاری' ڈرامائی وقفے' سسپنس کے ساتھ ساتھ تھرل ایکشن سب' مگر اس قصے میں ان

جانثاروں کے لیے محبت تھی، یقین تھا، اعتماد بھروسہ... عقیدت کیا کیا نہیں تھا۔

بولتے ہوئے کئی بار اس کے ہاتھ ٹھنڈے بھی ہوئے تھے۔ کبھی وہ سرتاپا کپکپا جاتی لڑکیاں ساکت تھیں، ایسے واقعات کو سن کر ایک منٹ کی خاموشی کے بعد ہم سب بھول جاتے ہیں۔

مگر جو لوگ ایسے واقعات کو جھیلتے ہیں یا پھر کسی نہ کسی طرح ان کا حصہ ہوتے ہیں۔ ان کی کیا کیفیت ہوتی ہے۔ وہ پھر زندگی کو کس آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ زندگی ان کے لیے کچھ اور ہی ہو جاتی ہے۔

وہ کچھ نظریات میں پکے ہو جاتے ہیں، کبھی نہ بدلنے کے لیے اور آنسہ عظیم کے ساتھ یہی ہوا تھا۔ ایک دنیا مخالفت و تضحیک (سچی یا جھوٹی) کا علم لے کر کھڑی ہو جاتی، مگر اس نے ایک انچ پیچھے نہ سرکنا تھا اس نے ہوش سنبھالنے سے پہلے کچھ چیزیں طے کرلی تھیں۔

کچھ خیالات جو پختہ ہو گئے تھے۔

ایک عقیدت جو نظریں اٹھانے ہی نہ دیتی تھی۔

ایک اعتماد جو کبھی ڈراتا ہی نہ تھا۔

ایک محبت جس سے جی بھر کے ... جو لطف اٹھایا وہ پھر اور کہاں۔

عینی نے پانی کا گلاس آنسہ عظیم کے لیے بھرا تھا۔ سب اسے گھونٹ گھونٹ پانی حلق سے اتارتے دیکھ رہی تھیں۔ وہ آگے کچھ اور کہنا چاہتی تھی یا بس کہہ چکی؟

"یہ بہت خاص مٹی سے ڈھلے لوگ ہوتے ہیں، ہماری ہی طرح دو ٹانگوں پر چلنے والے انسان... دیکھنے میں ہم جیسے لگتے ہیں ہم ہی سے ہوتے ہیں، مگر اصل میں یہ انسان بھی نہیں ہوتے، فرشتے بھی نہیں۔ آپ انہیں جن بھی نہ سمجھیے گا۔ وطن، مذہب، اقدار پر نثار ہو جانے والے کوئی اور ہی مخلوق ہوتے ہیں۔"

آنسہ کے حلق میں گولا سا اٹکا اس کی آنکھوں میں تقریباً" چوبیس پچیس برس پہلے کا واقعہ ایک فلم کی طرح چل رہا تھا وہ ہوا میں اڑتے گڈے کو دیکھ رہی تھی۔

وہ گراؤنڈ کے اوپر چکر پھیریاں کھاتے اس جنگی تربیتی جہاز کو دیکھ رہی تھی۔ کتنا آسان تھا اس بے نام پائلٹ کے لیے۔ اپنے دوسرے ساتھی کو اتار کے خود وہ کسی محفوظ جگہ کو کھوجتا رہا جہاں جہاز گرائے، تو نیچے کسی کا کوئی نقصان نہ ہو اور اس تلاش لاحاصل کے وقت وہ بخوبی جانتا تھا۔ وقت کم ہوتے ہوتے ختم ہو رہا تھا، یہاں تک کہ روئی کے گودام میں جہاز کی نوک دھنس گئی۔

اس نے کو پائلٹ کو پیراشوٹ دے کر اتار دیا۔ وہ خود کیوں نہ اترا؟ چھوڑ دیتا جہاز کو ڈانوا ڈول... اور خود باحفاظت اتر آتا۔

اس نے ایسا کیوں نہ کیا کسی کے پاس یہ جواب... میرے ہیرو نے میرے لیے زندگی قربان کردی۔ اس نے میرے خاطر جان دے دی۔ اس سے زیادہ کوئی کیا کر سکتا ہے کسی کے لیے؟"

آنسہ عظیم کو کھلے بالوں، فراک نیکر پاؤں میں پلاسٹک کی رف جوتی پہنے روڈ پر اندھا دھند بھاگتی آتی بچی دکھائی دے رہی تھی۔

جسے "گڈے" کو حاصل کرنا تھا۔

دھونکنی کی طرح چلتا سانس اور مسلسل بھاگتی آتی...

آنسہ عظیم کی آنکھیں ایک بار پھر بھر آئیں۔ اس نے اپنے کاغذ سمیٹنے شروع کردیے تھے وہ کھڑی ہو چکی تھی۔ یہاں مزید ٹھہرنا اب مشکل لگ رہا تھا۔ مگر باہر کی جانب قدم بڑھاتے بڑھاتے وہ رک گئی۔

"میرا ہیرو ایک فوجی تھا۔

ایک نے میری خاطر جان قربان کردی اور دوسرے کو میں پا نہیں سکی۔"

اپنی بات کہہ کر پھر آنسہ عظیم سے رکا نہ گیا۔ وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی تھی۔

پیچھے پھیلا سناٹا اونچی اونچی آواز میں چلا رہا تھا۔

زبان بند تھی اور دل بول رہا تھا۔

اور دل کی بولی سمجھنے کے لیے دل والا ہونا ضروری ہوتا ہے۔